

Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb (MIFT)

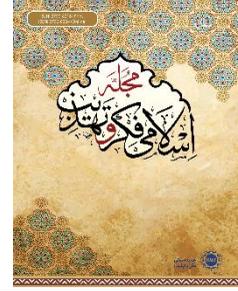
Volume 2 Issue 2, Fall 2022

ISSN(P): 2790 8216 ISSN(E): 2790 8224

Homepage: <https://journals.umt.edu.pk/index.php/mift>



Article QR



بچوں کی اخلاقی اساس کے نفسیاتی اثرات: روحانی و طبی اخلاقیات کے تناظر میں

Title:

Psychological Effects of a Child's Moral Foundations in the Perspective of Spiritual and Medical Ethics

Author (s):

Saima Hanif, Hammadullah Khan

Affiliation (s):

University of Management and Technology, Lahore, Pakistan

DOI:

<https://doi.org/10.32350/mift.22.05>

History:

Received: November 17, 2022, Revised: December 01, 2022, Accepted: December 12, 2022, Available Online: December 25, 2022

Citation:

Hanif, Saima, Hammadullah Khan. "Psychological effects of a child's moral foundations in the perspective of spiritual and medical ethics." *Mujalla Islami Fikr-o-Tahzeeb* 2, no.2 (2022): 62–82. <https://doi.org/10.32350/0mift.22.05>

Copyright:

© The Authors

Licensing:



This article is open access and is distributed under the terms of Creative Commons Attribution 4.0 International License

Conflict of Interest:

Author(s) declared no conflict of interest



A publication of

Department of Islamic Thought and Civilization, School of Social Sciences and Humanities, University of Management and

Technology, Lahore, Pakistan

بچوں کی اخلاقی اساس کے نفسیاتی اثرات: روحانی و طبی اخلاقیات کے تناظر میں

Psychological Effects of Children's Moral Foundations in Perspective of Spiritual and Medical Ethics

Saima Hanif*

M. Phil Scholar, Department of Islamic Thought and Civilization,
University of Management and Technology, Lahore

Dr. Hammadullah Khan

Lecturer IIPG,

University of Management and Technology, Lahore

Abstract

Islam has given importance to the physical and mental existence of humanity in view of the prohibition of humanity and the protection of human beings, it has also described ways to save life and make it safe and secure through treatment. Islam has identified the factors that affect human health and explain ways to mitigate these effects, for instance, the Prophetic teachings on treating physical illness are proof that the things that hinder the physical problem should be saved from this physical illness and weakness by using all possible resources, so that a healthy body can be saved and eventually a healthy society can exist. In addition, the things that affect the human mind and make it future dark by trapping it in various worries and thoughts, entangle in various psychological matters, and suppress its creative and mental abilities. This article discusses that how religious and medical directions can help the humanity specially the children that can be a guarantee of a contented and peaceful life.

Keyword: existence of humanity, health and explain, physical problem, peaceful life

۱. تمہید

اسلام نے جہاں تحریم انسانیت اور حفاظتِ انسانی کے پیش نظر اس کی جسمانی اور ذہنی وجود کو اہمیت دی، وہاں جان کے بچاؤ کے لیے تدابیر اور علاج معالجے کے ذریعے اس کو محفوظ و مامون بنانے کے طریقے بھی بیان کیے ہیں۔ انسانی صحت پر جو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں ان کی نشاندہی کر کے ان اثرات کو زائل کرنے کے لیے طریقے سمجھائے ہیں، مثلاً جسمانی بیماری کے پیش نظر علاج معالجہ کرنے کی نبوی تعلیمات اس بات کا بین ثبوت ہیں، کہ جسمانی مسئلے میں جو چیزیں حائل ہیں، ہر ممکن وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس جسمانی بیماری اور کمزوری سے بدن کو بچایا جائے، تاکہ ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آسکے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں انسان کے ذہن پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اسے طرح طرح کے وساوس اور خیالات میں پھنسا کر اس کا مستقبل تاریک کرتی ہیں، اسے طرح طرح کے نفسیاتی معاملات میں الجھاتی ہیں، اور اس کی تعمیری اور ذہنی صلاحیتوں کو ماند کرتی ہیں، ان کا سدباب کرنے کے طریقے بھی سمجھائے ہیں۔ صحت مند ذہن اور آلائشوں اور خطرات سے پاک ذہن و دل ہی صحت مند اسلامی

*Corresponding author: Saima Hanif at Saimashafiq1@gmail.com

معاشرے کا ضامن بن سکتا ہے، کمزور، بیمار اور لاغر ذہن سے اسلام کی اس قدر خدمت نہیں لی جاسکتی جس قدر صحت مند و توانا شخص اسلام کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ گھر کے معاملات کی دوڑ دھوپ، معاش کے لیے محنت کرنا، بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جدوجہد کرنا، حتیٰ کہ عبادت جیسے معاملات میں بھی صحت مند ذہن و جسم کو فوقیت حاصل ہے، جہاد جیسے عظیم معاملات میں اسی صحت مند ذہن اور جسم کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام چیزوں کا وجود اسلام سے وابستہ ہو جائے اور ذہن و قلب اور جسم اسلام کے تابع ہو جائیں تو پھر اخلاقی اقدار اور اسلام کے حسن امتزاج کا ایسا تصور ابھرے گا جس کی روشنی اور حلاوت دور دور تک پھیلتی ہے۔ کئی لوگ اس دائرے میں آکر اپنی زندگیوں کو بدلتے اور آنے والوں نسلوں کو صحت مند معاشرہ منتقل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ گویا اسلام ہی پر عمل پیرا ہو کر خالص اور حقیقی فلاحی مملکت کو وجود میں لایا جاسکتا ہے۔ مذہب ہی انسان کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ اس کا ایک اخلاقی وجود ہے جس کی تعمیر کے بغیر حیات انسانی آلائشوں سے پاک ہو سکتی اور نہ وہ معاشرت جنم لے سکتی ہے جو ایک مطمئن اور پرسکون زندگی کی ضامن بن سکتی ہو۔

غیر مذہبی معاشروں کے لیے بھی یہ تصور کتنا اہم ہے، یعنی مذہب ہی کسی قوم کو تہذیب یافتہ اور مہذب ہونے کی سند دے سکتا ہے، تہذیب کس طرح شروع ہوئی اور کس انداز سے پروان چڑھی، کبھی بنتی، بگڑتی اور سنورتی ہوئی ہمارے زمانے تک پہنچی، اس میں کئی طرح کی فلسفیانہ سوچیں کارفرما ہیں، اور یہ ممکن نہیں کہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ کر ایک رائے پر سوچ کر مرتکز کیا جاسکے، البتہ تہذیب ایک گھر کی مانند ہے جسے ہم نے اور پچھلے لوگوں نے سجا یا اور سنوارا ہے، کبھی کبھی آفات اور بھونچالوں سے اس کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کے بعض حصے گر گئے، لیکن بعد میں آنے والوں نے اس کی تزئین و آرائش کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لانا مقصد اولیں سمجھا، اس طرح اس کی خوبصورتی میں فرق نہ آیا، لیکن اس بات میں صداقت موجود ہے کہ گھر کو بنانے میں کتنا وقت لگتا ہے، کئی طرح کے مصائب جھیلنے پڑتے ہیں، کئی طرح کی مشکل فصیلیں عبور کرنی پڑتی ہیں، لیکن اس کو ڈھانے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ شاید ڈھانے والا پانچ سات اینٹیں ادھر ادھر سے نکال دے تو ساری دیوار دھڑام سے نیچے گر جائے، اسی طریقے سے باقی تمام عمارت بھی گر جائے، یہی حال ہماری تہذیب کے گھر کا ہے، بنا ہو گھر خوبصورت اور مضبوط دکھائی دیتا ہے لیکن اس کے بگڑنے اور لٹنے کا سماں آئے تو دیکھتے دیکھتے منظر تبدیل ہو جاتا ہے۔

ایک مضبوط جسم بھی مضبوط گھر کی مانند ہے، جس طرح مضبوط گھر ہر طرح کی آفات، بارش، ہواؤں، آندھیوں اور دیگر حوادث سے انسان کو محفوظ بناتا ہے، اسی طرح ایک صحت مند جسم بھی نہ صرف انسانی جان کو محفوظ بناتا ہے، بلکہ وہ رشتے جو اس انسان سے وابستہ ہیں ان کے لیے بھی انتہائی کام گار ہے۔ اس کے صحت مند جسم جو اسلام کے ماتحت ہے، اس سے دوسرے لوگ منتفع ہو رہے ہیں اور خوشحالی ایک جسم سے دوسرے تک منتقل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طاوت پر اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

{ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ }

”یہیک اللہ نے اُسے تم پر منتخب فرمایا ہے اور اُسے علم اور جسم میں زائد فراخی عطا فرمائی ہے۔“

یہاں علم اور جسم میں فراخی کو اللہ کی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ حَبِيزٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ“^۲

”طاقتور مسلمان (طاقتور سے مراد ہے جس کا ایمان قوی ہو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، آخرت کے کاموں میں ہمت والا ہو) اللہ کے نزدیک بہتر اور اللہ کو زیادہ پسند ہے تا تو اس مسلمان سے“

طاقتور ہونے کا تعلق ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے ہے، جیسا کہ طاقت کے بارے میں اس کے علم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے علم عطا کرنے کے ساتھ ساتھ طاقتور جسم بھی عطا کیا گیا، گویا جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب اس کے پاس اللہ کے پیغامات کا علم ہے، لہذا مسلمان کو ذہنی اور جسمانی ہر دو لحاظ سے طاقتور ہونا چاہیے۔ ذہنی ترقی کا براہ راست تعلق انسان کی نفسیات سے ہے، جس قدر اس کے ذہن پر اچھے نفسیاتی اثرات ہوں گے، اسی قدر ذہن میں کشائش اور علمی ترقی ہوگی۔ یہ سلسلہ انسان کے بچپن سے شروع ہوتا ہے جس کے اثرات ذہن پر بڑھاپے تک قائم رہتے ہیں، لہذا والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو اخلاقیات کا درس دینے کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات کا بھی خیال رکھیں۔

۲. بچوں کی نفسیاتی محرومی

بچوں کی نفسیاتی محرومی تمام عمر ان کے ساتھ ساتھ رہتی ہے، جس سے ان کی صلاحیتیں نہ تو نکھرتی ہیں، اور نہ ہی وہ اپنی احساس کتری دور کر پاتے ہیں۔ ایفریم روزن نفسیاتی محرومی کی اقسام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نفسیاتی محرومی کی کئی قسمیں ہیں۔ دہانی محرومی (Oral deprivation)، ماں کی شفقت سے محرومی، دوسروں کی مدد حاصل کرنے سے محرومی، حسی محرومی (Sensory Deprivation) اور سماجی محرومی (سماج سے علیحدگی) ان محرومیوں کی اہم صورتیں ہیں۔ لیوی (Levy) نے دہانی محرومی کی وضاحت کی ہے، اس کے نتیجے میں بچوں میں حسی قسم کا کردار پیدا ہو جاتا ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے، اس نے دریافت کیا کہ بچوں کی جس جماعت کو چوسنی سے محروم کر دیا گیا تھا اس میں بچپن میں انگوٹھا چوسنا شروع کر دیا اور جس جماعت کو محروم نہیں کیا گیا تھا اس کے کسی بچے میں یہ کردار نہیں پیدا ہوا۔

ایام طفولیت میں ماں کی شفقت اور نگہداشت سے محروم ہو جانے کی وجہ سے جس ذہنی تکلیف کا سامنا کرنا ہوتا ہے اس پر کئی طرح کی تحقیق کی گئی ہے۔ ربل (Ribble) نے چھ سو بچوں کا مطالعہ کیا اور دریافت کیا کہ جو ماںیں خود جذباتی طور پر پریشان ہوتی ہیں وہ اپنے بچوں کی مناسب نگہداشت نہیں کر پاتی ہیں، نتیجے میں بچوں کے حواسِ ششمہ کو ضروری تحریک نہیں ملتی ہے، ایسے بچوں میں انکار کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے، ان سے جو کہا جائے وہ اس کے برعکس کرتے ہیں، وہ ماں کا دودھ پینے سے انکار کرتے ہیں، ہاتھ پیرا کڑا لیتے ہیں، گہرے سانس نہیں لیتے اور اکثر انہیں قبض کی شکایت ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ ان میں مراجعت کا رجحان بھی پایا جاتا ہے، ان کے اندر سے حسی اور افسردگی پیدا ہو جاتی ہے، کھانے میں دل چسپی

^۲ مسلم بن حجاج، ابوالحسنین، القشیری، صحیح مسلم (الریاض: دارالسلام للنشر، ۱۴۲۱ھ)، المرقم: ۲۶۳۵۔

نہیں لیتے، ان کے عضلاتی اور اضطرابی جوابی عمل میں کمی آجاتی ہے، مراجعت کی انتہائی صورت وہ ہوتی ہے جب بچے کا جسم زیادہ پھیل جاتا ہے، وہ انتہائی سست ہو کر اپنی صلاحیتیں کھونے لگتا ہے، یہ بیماری مارسمس کہلاتی ہے۔^۳

ریبل (Ribble) سے متعلق ایفریم روزن مزید لکھتے ہیں:

”ریبل نے اپنے بیانات میں اعداد و شمار نہیں پیش کیے، اسپلینز نے بھی ایسے ہی نتائج پیش کیے ہیں اور اس کا مطالعہ زیادہ منضبط تھا، اس نے دو جماعتوں پر تحقیق کی، ایک جماعت ان بچوں کی تھی جو پیدا ہوتی ہے لاوارث بچوں کے ادارے میں پنہاں دیے گئے تھے، ان کی نگہداشت ایک نرس کے سپرد تھی جس کے برتاؤ میں اپنائیت کا فقدان تھا، اس کے علاوہ اس کے ذمے بہت سے کام تھے اس لیے وہ ہر بچے کو معقول وقت بھی نہیں دے سکتی تھی، دوسری جماعت ان بچوں کی تھی جو زسری میں رکھے گئے تھے لیکن ان میں سے ہر بچے کے پاس اس کی اپنی ماں جاتی تھی اور اس کی دیکھ بھال کرتی، دونوں جماعتوں کی جسمانی نگہداشت اعلیٰ پیمانے کی تھی، دو سال کے مسلسل مشاہدے اور جانچ سے پتہ لگا کہ لاوارث بچے زسری کے بچوں کے مقابلے میں جسم، ادراک، حافظے، ذہن کی نشوونما اور سماجی اطوار کی تربیت کے اعتبار سے پیچھے ہوتے چلے گئے، لاوارث بچوں نے دو سال کی عمر تک چلانا، بولنا اور اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں سیکھا تھا، ان کا کردار ایسے شخص کے کردار سے مشابہہ تھا جو بے حسی اور بیجان میں مبتلا ہو اور ذہنی طور پر بھی ناقص ہو۔“^۴

اخلاق کے ہمارے جسم و روح پر کس قدر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں، نہ صرف ایسا شخص جو اخلاق والا ہے، اس کے اندر کی دنیا خوبصورت اور آلودگیوں سے پاک ہوگی، بلکہ دوسرے لوگ بھی اس سے مل کر خوشی محسوس کریں گے اور انہیں ایسے شخص سے مل کر طمانیت اور فرحت محسوس ہوگی، نگہت ہاشمی جسم و روح کی خوبصورتی سے متعلق لکھتی ہیں:

”کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے جنتی لوگوں کے چہرے چمکیں گے؟ یہ خُلق ہے، یہ وہ چیز ہے جس کے لیے انسان کو دنیا میں محنت کرنا ہے، ہم جیسا چہرہ چاہتے ہیں ویسا ہی چہرہ مل جائے گا، بس اس چہرے کے لیے ہم کو ویسی ہی عادات اپنانی پڑیں گی، کل جو کچھ ہمیں ملنے والا ہے وہ ہمارے اخلاق، ہماری عادات، ہمارے رویوں کی وجہ سے ہو گا جو ”نُفْرَةُ النَّعِيمِ“ ہے نعمتوں کی تازگی، اس کو ہم کہاں سے دیکھیں؟ کیسے پتہ چلے کون کون سی نعمتیں ہیں؟ اس کو دیکھنا ہے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے، اگر کوئی دیکھنا چاہتا ہے تو وہ یہ چیز رسول اکرم ﷺ کے اخلاق میں دیکھ سکتا ہے، جو چیزیں آپ ﷺ نے اپنائیں، جیسی شخصیت آپ کی بنی ویسی شخصیت بنانی ہے، دیکھیں دنیا کی زندگی میں آپ شخصیت کے تصور کو سمجھیں کسے کہتے ہیں؟ شخصیت، پرسنالٹی، انسان کی پہچان ہوتی ہے نا! شخص کسے کہتے ہیں؟ انسان کو۔ انسان جیسے اوصاف اپنے اندر پیدا کر لے وہی اس کی شخصیت ہے، وہی اس کی Identity ہے۔ شناختی کارڈ پر ہماری کیا پہچان ہوتی ہے؟ مثلاً دائیں گال پر تل کا نشان یا بائیں پاؤں پر کٹ کا نشان وغیرہ۔ دنیا میں پہچان کی نشانیاں کتنی معمولی قسم کی

^۳ ایفریم روزن، اہنار مل نفسیات، ترجمہ: ذکیہ مشہدی (نئی دہلی۔ انڈیا: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)، ۱۶۱-۱۶۲۔

^۴ ایفریم روزن، اہنار مل نفسیات، ترجمہ: ذکیہ مشہدی، ۱۶۳۔

ہوتی ہیں! Identity کے لیے کوئی نہ کوئی نشان تو ہوتا ہی ہے اور مومن کی پہچان تو اس کے اوصاف ہوں گے، اس کے اخلاق ہوں گے اور اخلاق کی وجہ سے ہی مومن کو شخصیت ملے گی اور جنت میں اُس کا چہرہ پہچانا جائے گا۔

ہمیں ایک پہچان چاہیے۔ ہماری روح کو لباس چاہیے۔ ہمیں اپنا ایک چہرہ چاہیے۔ اُس چہرے کی رونقیں چاہئیں۔ اُس چہرے کی تازگی چاہیے۔ تو یہ نعمتوں کی تازگی ہے، یہ اخلاق ہیں، ان کے بغیر چہرہ نہیں بنے گا، آپ کبھی ماں کے پیٹ کے اندر علقہ سے بننے والی بوٹی کو دیکھیں، اُس کی تو کوئی شکل نہیں ہوتی، انسان کو مٹی سے بنایا گیا، ایسے ہی انسان کے خلق کے لیے بھی کچھ بنیادی مواد ہے (Basic material) جس سے اخلاق بنتے ہیں۔ اس کے بغیر اخلاق وجود میں نہیں آسکتا۔ انسان کی سوچ، فکر اور رجحانات مل کر کسی احساس کو جنم دیتے ہیں، خوشگوار احساس کے نفسیات پر اچھے اثرات جبکہ برے اور بد نما احساس سے نفسیات پر بُرے اور فاسد اثرات مرتب ہوتے ہیں، طبی نفسیات کا معاملہ زندگی کا ایک جزو ہے، لیکن اس کا کل انسانی سوچ اور احساس ہے، یہ سوچ اور احساس بچپن سے پنپتا ہے، بڑھتا ہے، پھلتا پھولتا ہے اور آخر کار معاشرے میں ایک سوچ کا عکاس بن کر سامنے آتا ہے، اس ساری سرگرمی میں سب سے بڑا کردار بچے کی ابتدائی عمر کا ہے، جب اس کے احساسات کی نشوونما والدین اور اساتذہ کی طرف سے کی گئی، بچپن کے رجحانات اور ذہنی سوچ تمام عمر بچے کے ساتھ سفر کرتی ہے، لہذا بچے کی سوچ کو مثبت اور تعمیری بنانے کے لیے اس کی بچپن میں تربیت بہت ضروری ہے۔

۳. بچوں کے احساسات

سراج الدین ندوی بچے کی اخلاقی اور احساسی تربیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”بچے کے احساسات ناقص اور ادھورے ہوتے ہیں، آپ اپنی توجہ اور نگہداشت سے بچوں کے احساسات کو پاکیزہ اور معیاری بنانے کی کوشش کیجئے، بچوں کو اپنے احساسات پر بھروسہ اور اعتماد کرنا سکھائیے، بچوں کو اپنے احساسات کے اظہار کا موقع دیجئے، دیکھا گیا ہے کہ بچے نے کوئی چیز ہاتھ میں لے کر سو گھٹنا چاہا تو اوی دیکھتے ہی دہاڑ پڑیں، بڑا گندا ہے! غلیظ کہیں! کوئی تمیز نہیں! بچے نے ڈر کے مارے وہ چیز سو گھٹے بغیر پھینک دی اور پھر کسی بھی چیز کو سو گھٹنے کی ہمت نہ کی، اس طرح بچے اپنے احساسات پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، پھر وہ اس تلاش میں رہتا ہے کہ اسے کوئی یہ بتائے کہ اس چیز کا مزہ کیسا ہے؟ اس کی بو اچھی ہے یا خراب؟ آپ نے بہت سے ایسے بچوں کو دیکھا ہو گا کہ دس گیارہ سال کی عمر تک انہیں غلاظت اور نفاست کے درمیان تمیز نہیں ہو پاتی کیونکہ انہیں یا تو اپنے احساسات کے اظہار کا موقع نہیں ملا ہوتا ہے یا پھر ان کے احساسات پر دوسروں کی حکمرانی چلتی رہی ہے۔ اگر آپ کا بچہ کوئی گندی چیز ہاتھ میں لے کر اسے سو گھٹتا ہے تو آپ محبت سے وہ چیز اس کے ہاتھ سے لے لیں اور اس کی جگہ پھول، عطر کا پھل یا کوئی خوشبودار چیز بچے کو سو گھٹنے کے لیے دے دیں، اس سے بچے کی قوت شامہ بھی پروان چڑھے گی اور اس کو تعمیری رُخ بھی ملے گا۔

تہذیب ہاشمی، اب اخلاق بدلنا ہے (لاہور: انور پبلی کیشنز، گلبرگ۔ س۔ ن۔)، ۲۱۰-۲۰۰۔

اگر بچہ رنگ برنگ کی جاوے جائیزیں جمع کر رہا ہے تو آپ انہیں چھین کر چھبک نہ دیں بلکہ وجہ انتخاب بچے سے معلوم کریں، اگر بچہ یہ بتائے کہ اسے کانچ کا یہ سرخ ٹکڑا اس لیے پسند ہے کہ اس میں دیکھنے سے اسے ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے تو آپ سلیقے سے تراشا ہو اسرخی شیشہ فراہم کر دیں، اگر بچہ کوئی بھونڈا قسم کا کھلونا پسند کر کے لے آیا ہے تو آپ اسی انداز کا بہترین قسم کا کھلونا فراہم کر دیں، اس طرح آپ کے بچے کے احساسات کی نشوونما تعمیری رخ پر انجام پائے گی۔ آپ کا بچہ کسی چیز کو دیکھ کر اگر اسے ہاتھ میں لے کر ٹولتا ہے، اسے سو گھنٹتا ہے اور اس کے بارے میں از خود معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ چیز جھڑک کر بچے کے ہاتھ سے چھین نہ لیجئے کیونکہ وہ چیز کتنی بھی قیمتی ہو بچہ یا بچے کے احساسات سے زیادہ قیمتی نہیں ہے، بچے کو اطمینان حاصل کر لینے دیجئے یا خود اس کی تشنگی دور کر کے اس کے احساسات کی تکمیل کیجئے۔ احساسات اگر پاکیزہ ہوں گے تو بچے کے جذبات بھی پاکیزہ ہوں گے اور اگر احساسات میں تلخی ہوگی تو بچہ جذباتی طور پر چڑچڑاہو جائے گا، احساسات بہت قیمتی ہوتے ہیں، نقلی و فنی، ذہنی و اخلاقی ہر موقع پر کام آنے والی صلاحیت دراصل احساسات ہی سے تشکیل پاتی ہے، اس لیے احساسات کی پاکیزہ تربیت کا بھرپور اہتمام کیجئے“۔^۶

۴. بچوں کے جذبات

بچوں کے جذبات جب پھرتے ہیں تو وہ نہ صرف اپنے لیے برا سوچتے ہیں بلکہ دوسرے بھی الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے دل کی دنیا ویران ہونے کی وجہ سے انہیں ہر چیز بد نما اور بد صورت دکھائی دیتی ہے، جس کی وجہ سے ان کے اندر نفسیاتی الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور وہ طرح طرح کی بیماریوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، لیکن اگر ان کے ذہن و دماغ میں ابھرتے ہوئے سوالات کا تسلی بخش جواب دے دیا جائے تو نہ صرف وہ نفسیاتی مسائل کا شکار ہونے سے بچ جاتے ہیں، بلکہ ان کے اندر قوت مدافعت بھی بڑھ جاتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ چھوٹی بڑی بیماریوں کا آسانی سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں۔

مصنفہ حفصہ صدیقی اپنی کتاب ”بچوں سے گفتگو کیسے کریں“ میں پھرے ہوئے جذبات کی حالت میں بچوں کی رہنمائی کیسے کی جائے، اس سے متعلق لکھتی ہیں:

”بچوں کے ماہر نفسیات ڈاکٹر گوٹ مین اپنی کتاب (Raising an emotionally intelligent child) میں لکھتے ہیں کہ میری تحقیق یہ بتاتی ہے کہ محض محبت آپ کو اچھے والدین نہیں بنا سکتی، بچوں سے بہت زیادہ محبت کرنے والے اور ان کے ساتھ ہر معاملے میں شریک والدین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اکثر وہ اگر خود غصے یا خوف کی حالت میں ہوں یا ان کے بچے ایسی کیفیت سے گزر رہے ہوں تو وہ اپنے بچوں سے بات نہیں کر پاتے، صرف محبت ایسا کیمیائی عمل نہیں ہے جس کے ذریعے آپ بچے کی مکمل رہنمائی کر سکیں، بچے جب کسی جذباتی کیفیت کا شکار ہوتے ہیں تو ان کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے روایتی عقل (Conventional Wisdom) اکثر اس قدر کارآمد نہیں ہوتی کہ غصے، خوف یا ناراضگی کی حالت میں بچے کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے، اگر اس کے

^۱ ندوی، سراج الدین، بچوں کی تربیت کیسے کریں؟ (لاہور: دارالابلاغ پبلیشرز)، ۱۹۰-۱۸۱۔

لیے درست طریقہ استعمال کیا جائے تو نہ صرف آپ اس صورت حال سے بچ سکتے ہیں بلکہ بچے کی بھی جذباتی طور پر شخصیت مستحکم حاصل ہو سکتی ہے، جذباتی تربیت (Emotional Coaching) کا تصور ڈاکٹر جنٹس نے پیش کیا تھا جس کو بعد میں ڈاکٹر گوٹ مین اور دوسرے محققین نے مؤثر ثابت کیا، جذباتی رہنمائی کے درج ذیل اجزاء بیان کیے جاتے ہیں:

- ☆ بچے کے جذبات سے اچھی طرح آگاہی۔
- ☆ جذباتی اظہار سکھانے اور بچے سے قربت پیدا کرنے کے مواقع کو مناسب طور پر استعمال کریں۔
- ☆ بچے کی بات کو سکون کے ساتھ اور غور سے سنیں۔
- ☆ بچے کی جذباتی کیفیت کو ایسا نام دیں جو وہ سمجھ سکے۔
- ☆ کسی مسئلے کو حل کرنے یا جذباتی طور پر پانا خوشگوار صورت حال سے کس طرح نبرد آزما ہونا ہے اس حوالے سے بچے کی رہنمائی کریں۔
- تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جذباتی رہنمائی پانے والے بچے عملی زندگی میں جذباتی طور پر چست اور کامیاب (Emotionally Intelligent) ہوتے ہیں۔ جذباتی حوالے سے اگر بچے کی درست سمت میں رہنمائی کی جائے تو وہ مندرجہ ذیل خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں:
- ☆ اپنی جذباتی کیفیت پر کنٹرول کر سکتے ہیں۔
- ☆ پریشانی کی حالت میں خود کو بہتر انداز سے پُر سکون رکھتے ہیں۔
- ☆ پریشان کن یا گھبرانے والی صورت حال میں تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پالیتے ہیں۔
- ☆ زیادہ بہتر انداز میں توجہ مرکوز کرتے ہیں۔
- ☆ لوگوں کے رویوں اور عادات کو بہتر انداز سے سمجھ لیتے ہیں۔
- ☆ اچھے دوست ہوتے ہیں۔
- ☆ اچھی تعلیمی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔^۷

۵. بچوں کی غلط باتوں کو نظر انداز کرنا

بچوں کی غلط باتوں کو نظر انداز کرنا انتہائی خطرناک ہو سکتا ہے، لیکن سمجھانے اور تربیت کے انداز میں میانہ روی ہونی چاہیے، کسی کے برے اخلاق سے پہلو تہی کرنا اور اس کی رہنمائی نہ کرنا بھی شر کا پیش خمیہ ثابت ہوتا ہے، لہذا سمجھانے کے انداز میں میانہ روی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے، یہی تعلیم ہمیں دین اسلام سے ملتی ہے، کیونکہ میانہ روی کے اندر خیر ہی خیر ہے، ایک روایت میں ہے کہ:

^۷ حصہ صدیقی، بچوں سے گفتگو کیسے کریں؟ (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی)، ۱۸۰-۱۷۱۔

”جناب ابو ظبیه سے مروی ہے کہ ایک دن ایک آدمی نے خطاب کیا اور بہت باتیں کیں، تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ اپنی گفتگو میں میانہ روی اختیار کرتا تو اس کے لیے بہت بہتر ہوتا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: تحقیق میں نے سمجھا ہے یا (فرمایا کہ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو میں میانہ روی اختیار کروں، بلاشبہ میانہ روی سراسر خیر ہے“^۹

۶. بچوں کی تربیت نبوی ﷺ منہج

اسلام نے نرم خوئی، خیر خواہی کی تاکید اس لیے کی ہے کہ اسی سے محبت و اخوت، ملنساری، رواداری اور معاشرتی مودت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، زندگی کا کوئی ایک شعبہ ہو، خیر خواہی اور اخلاقیات کو ہر گوشہ زندگی پر محیط کرنے کا اسلام نے ہمیں درس دیا ہے۔ چونکہ انسانیت اور اخلاقیات کا درس ہمیں قرآن اور رسول اکرم ﷺ کی زندگی سے ملتا ہے، لہذا آپ کے دور میں صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اکرم ﷺ سے اپنے بچوں کے اخلاقی تربیت کے لیے گزارش کیا کرتے تھے، اور اپنے بچوں کو نبی کریم ﷺ کی زیر تربیت چھوڑ دیا کرتے تھے۔

۶.۱. بچوں کیلئے مال و اولاد میں برکت کی دعا

ایک واقعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہے، جنہیں ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا، حدیث مبارکہ میں ہے:

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں (ام سلیم رضی اللہ عنہا) مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، انہوں نے اپنی اوڑھنی کے آدھے حصے سے میرا ازار بند بنا دیا تھا اور آدھے حصے کو میرے اوپر ڈال رکھا تھا، امی جان نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بچہ نہیں ہے، میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں تاکہ یہ آپ کی خدمت کرے، آپ ﷺ اس کے حق میں دعا فرمادیں، آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

”اللَّهُمَّ أَكْثُرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ“

”اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں برکت عطا فرما“

حضرت انس رضی اللہ فرماتے تھے:

اللہ کی قسم! میرے پاس مال بہت زیادہ ہے اور میری اولاد اور اولاد کی تعداد آج سو سے بھی تجاوز کر چکی ہے“^۹

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے:

^۹ ابو داؤد سلیمان بن الأشعث، سنن ابی داؤد (بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، ۲۰۰۹ء)، الرقم: ۵۰۰۶۔

^۹ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، الرقم: ۶۳۷۳۔

کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کی سفر و حضر میں خدمت کی، اللہ کی قسم! میں نے کوئی بھی کام کیا، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کام کو تو نے ایسا کوئی کیا، اور کوئی بھی کام جس کو میں نے نہیں کیا، اس کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تو نے اس کو کیوں نہیں کیا۔^{۱۰}

۶.۲. خادموں کے ساتھ حسن سلوک

نبی کریم ﷺ اپنے خادموں کے ساتھ کس طرح رہتے تھے، حالانکہ وہ خادم اپنے بچپن میں ہوتے تھے، اس کا ایک مظاہرہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ملتا ہے:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، فَأَرْسَلَنِي يَوْمًا لِحَاجَةٍ، فَقُلْتُ: وَاللَّهِ لَا أَذْبَبُ، وَفِي نَفْسِي أَنْ أَذْبَبَ لِمَا أَمَرَنِي بِهِ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ، فَخَرَجْتُ حَتَّى أَمَرَ عَلَى صَبْيَانٍ وَبِئْسَ يَلْعَبُونَ فِي السُّوقِ، فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَدْ قَبِضَ بِقَفَايَ مِنْ وَرَائِي، قَالَ: فَتَنَظَّرْتُ إِلَيْهِ وَبَوَّ بَضْحَكِي، فَقَالَ: يَا أُنَيْسُ أَذْبَبْتِ حَيْثُ أَمَرْتُكَ؟ قَالَ قُلْتُ: نَعَمْ، أَنَا أَذْبَبُ، يَا رَسُولَ اللَّهِ.“^{۱۱}

”فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ بااخلاق تھے، ایک دن آپ ﷺ نے مجھے کسی ضرورت کے پیش نظر کہیں بھیجا، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا، حالانکہ میرے دل میں تھا کہ میں جاؤں، پھر میں نکل کر ان بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے (اس لیے میں بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگا)، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے پیچھے کی جانب سے میرے سر کو پکڑا، میں نے جو مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انیس! میں نے جہاں جانے کا حکم دیا ہے وہاں جائے گا یا نہیں؟ میں عرض کی: اب جاتا ہوں اے اللہ کے رسول۔“

رضوان ریاضی ”اپنی کتاب رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل کس کے ساتھ، کیسا؟“ میں لکھتے ہیں:

”آج کے دور میں تو خادم دیکھنے کو ملنا مشکل ہے کیونکہ اب اس دنیا میں وہ اخلاق و حسن سلوک کہاں جو دوسروں کے دلوں کو فریفتہ کر دے تاکہ اس اخلاق و حسن سلوک کا جذبہ اپنے بچوں میں پیدا کرنے کے لیے لوگ انہیں اس شخصیت کی خدمت کے لیے وقف کر دیں جو اخلاق اور حسن سلوک کا مجسمہ ہو، جس کی بات میں وہ چاشنی ہو جو لوگوں کے دلوں کو موہ لے، جس کا رہن سہن اور وضع قطع اس قدر معتدل اور انسانیت سے قریب تر ہو کہ ہر طبقہ کے لوگ اس شخصیت کی آغوش میں پناہ گزین ہو کر ایک دائمی خوشی محسوس کریں، خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، غریب ہوں یا مالدار، کشتکول لے کر گھر گھر کا چکر لگانے والے ہوں یا مضبوط قلعوں کے اندر عیش و عشرت میں دنیا و مافیہا سے بے فکر شہزادے، ووٹ دے کر اپنے جملہ حقوق کو گنوانے والے مقہور و مظلوم عوام ہوں یا پارلیمنٹ کی

^{۱۰} البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، الجامع الصحیح، (بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۳۲ھ)، الرقم: ۶۳۷۲۔

^{۱۱} مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، الرقم: ۶۳۸۴۔

کرسیوں پر براجمان سیاستدان، مجموعہ الامراض افراد ہوں یا طب یونانی کے بڑے بڑے ماہرین، دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ظالموں کے ظلم و استبداد کا نشانہ بننے والے فقراء و مساکین ہوں یا ان کے درد کا میجان بننے والے مجاہدین اسلام کی ٹولی۔ ایسی شخصیت وہی تھی جس کو دنیا محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے جانتی ہے، آپ ﷺ کا رہن سہن، وضع قطع، بات چیت اور اخلاق اس قدر عمدہ تھا کہ ہر طبقہ کے لوگ خود کو اور اپنی اولاد کو آپ ﷺ ہی کے معیار اخلاق پر تولنا چاہتے تھے۔“ ۱۲

بچوں کی نفسیات اور احساسی اقدار کو معاشرتی غلامتوں سے پاک کرنا، ان کی نگہداشت اور دیکھ بھال اس انداز سے کرنا کہ کہیں وہ معاشرے کے بے رحم موجوں کے سپرد نہ ہو کر اپنے اخلاق و نظریات کو سیاہ نہ کر لیں، لہذا بچپن سے ہی والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی اخلاقی اقدار کا حد درجہ خیال رکھیں، ایک بچہ بولنے کی عمر سے لے کر، پرائمری، مڈل، میٹرک سے ہوتا ہوا ایف ایس سی اور میڈیکل کا امتحان پاس کر کے ایک معالج کے روپ میں انسانی خدمت کے لیے سامنے آتا ہے، لہذا اس کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ اسے کم عمری سے ہی یہ بات باور کرائی جائے کہ بڑا ہو کر اسے اپنی، خاندان کی، سوسائٹی اور معاشرے کی بہترین اور مثبت بنیادوں پر تعمیر کرنی ہے۔

بیماری انسانی فطرت میں داخل ہے، اور اس کی ایسی مجبوریوں میں شامل ہے، جو اسے ہر پہلے یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ صحتمند لوگوں کی نسبت معاشرتی دوڑ دھوپ میں بہت پیچھے ہے، اپنے خیالات کا اظہار کرنا، اپنی فکری آراء پیش کرنا، دوسروں کو کسی بات پر قائل اور مانگ کرنا اس کے لیے یقیناً مشکل ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ایسی کیفیت میں مبتلا ہے، جو اس کی مجبوری، لاچارگی اور کمزوری کی عکاس ہے۔ کسی بھی شخص کا خواہ وہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی اس کا اپنی سوچ اور فکر کے مطابق کیا ہو عمل دوسرے لوگوں کے ہاں محسوس کیا جاتا ہے، اس عمل کے نتیجے میں اگر کوئی رد عمل سامنے آتا ہے تو وہ الگ بات ہے، سہرا دست کسی کا کیا ہو عمل خواہ وہ اشاروں اور کنایوں میں ہی کیوں نہ ہوں، اس کا ایک خاص اثر (Impact) ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دوسروں کی آراء چنپٹی، فنی اور وجود میں آتی ہیں، اسلام نے ہر اس کام کی روک تھام اور پیش بندی کی ہے جس سے دوسرے کے احساسات مجروح ہوں اور دوسرا اس عمل سے اذیت محسوس کرے۔ یعنی انسان کی ایک ایک حرکت اور اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اثر انگیزی کی طاقت رکھتا ہے اور شارد و حصار میں بھی آتا ہے۔ دوسروں کو تکلیف اور اذیت سے بچانے کے لیے اسلام نے ممکنہ طور پر وہ تمام اقدامات کیے ہیں جن سے انسانیت کا تشخص، وقار اور عزت قائم رہے۔

۷. بچوں کی اختیاری حرکات

ام عبد منیب لکھتی ہیں:

”اختیاری حرکات بے شمار ہیں اور ان میں انسان کا اپنا ارادہ شامل ہوتا ہے، ان حرکات کو جب وہ چاہے کر سکتا ہے اور جب چاہے ان سے رک سکتا ہے، نیز ان حرکات کے کرنے کا انداز بھی اختیاری ہوتا ہے۔ غیر اختیاری حرکات وہ حرکات ہیں جو بلا ارادہ انسان کے

۱۲ رضوان ریاضی، رسول اکرم ﷺ کا طرز عمل کس کے ساتھ، کیسا؟ (نئی دہلی، انڈیا: فریڈ بک ڈپو)، ۳۷۔

جسم سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، مثلاً دل کا چلنا، نبض کا چلنا، آنکھوں کا جھپکنا، چلتے ہوئے بازوؤں کو ہلانا، چھینک آنا، ریح خارج ہونا، کھانسی آنا، سونا، سونے میں کروٹ بدلنا اور خراٹے لینا، سردی اور خوف سے کپکپانا، پسینہ آنا وغیرہ۔“^{۱۳}

۸. اسلام کا منشاء

اسلام کا منشاء یہ ہے کہ ہر مسلمان کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ اس کے انداز اور رویوں میں تادیب، تہذیب، شائستگی، قرینہ، سلیقہ، نفاست، وقار، وجاہت اور کرامت پیدا ہو جائے، جب یہ تمام اوصاف کسی کے اندر پیدا ہو جائیں گے تو لامحالہ طور پر محسوس کرنے والے کی طبیعت پر خوشگوار اور اچھا تاثر مرتب کریں گے۔ ان تمام اوصاف کا تعلق ارادی اختیارات سے ہے، تھوڑی سی کوشش اور طبیعت کو ان باتوں کا پابند بنا کر کوئی بھی ان اوصاف کی حامل شخصیت بن سکتا ہے۔

دوسری طرف اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ تمام حرکات جن میں گھٹیا پن پایا جائے، لوگ اس سے کراہت اور ناگواری محسوس کریں، جس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو بھائی آتی ہے اور وہ پورا منہ کھول کر اور اپنی سانسیں لوگوں تک منتقل کرتا ہے، چاہے وہ نماز کی حالت میں ہی کیوں نہ ہو، وہ ایسی عادت کو اپنا چکا ہے اور کسی طور سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اس کا یہ انداز ہر کسی کو نامناسب، نامعقول اور برا محسوس ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا شخص بھائی کو روکنے میں اگر کامیاب نہیں ہوتا تو احسن انداز سے اپنے منہ پر ہاتھ، رومال یا کوئی ایسی چیز رکھ لیتا ہے جس سے اس کے منہ کے اندرونی غدو خال نمایاں ہونے سے بچ جاتے ہیں، اس کی سانس دوسروں تک منتقل ہونے سے رک جاتی ہے اور دیکھنے والے کی طبیعت پر اس کا یہ عمل گراں بھی نہیں گزرتا، بظاہر یہ معمولی بات لگتی ہے لیکن اس کے اثرات لوگوں پر کس قدر جامعیت کے ساتھ مرتب ہوتے ہیں اس کا اندازہ لوگوں کے رویوں سے بخوبی نظر آ جاتا ہے۔

۹. بچوں کا حوصلہ بڑھانے کی تلقین

اسلام کا یہ خاصا اور اعجاز ہے کہ جب کسی کو کوئی بھی مسئلہ لاحق ہو، اسلام کا پیش کیا ہوا حل اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، پھر اسے کسی اور طرف دیکھنے کی احتیاج نہیں رہتی۔ ایسے معاملات میں اسلام ”تسلی اور اطمینان کے چند الفاظ“ ہی نہیں کہتا بلکہ امید نو اور زندگی میں نئی رمت پیدا کرنے کے لیے مکمل سامان فراہم کرتا ہے، جس سے نہ صرف مسئلہ کا حل نکلتا ہے بلکہ روح کو تازگی اور طمانیت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اس معاملے میں نبی کریم ﷺ نے اپنے مسلمان بھائی کا حوصلہ بڑھانے کی تلقین کی:

”وَعَنْ أَبِي بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ، مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ، وَلَا بَنَمٍ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَدَى وَلَا عَمٍّ، حَتَّى الشُّوْكَةُ يُشَاكِبَهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ حَطَايَاهُ“^{۱۴}

^{۱۳} ائمہ عبد بنیہ، جسمانی حرکات اور شائستگی (لاہور: مشربہ علم و حکمت)، ۱۲۔

^{۱۴} البخاری، الجامع الصحیح، الرقم: ۵۶۳۵۔

”مسلمان کو جو بھی جھکان، درد، رنج و غم اور ملال پہنچتا ہے حتیٰ کہ اس کو اگر کاشا بھی چھینتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان (تکلیفوں) کے بدلے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔“

اسلام کے احکامات متعدی اور جان لیوا بیماریوں سے متعلق ہی نہیں ہیں، بلکہ معمولی نوعیت کی تھکن، درد، رنج و غم اور حزن و ملال کے موقع پر بھی مسلمان کی ڈھارس بندھانے کے لیے اور اس کا اکیلا پن ختم کرنے کے لیے اس کے لیے تسلی کا سامان ہے، اگر یہ کہا جائے کہ رحمان کا اپنے مسلمان بندے سے یہ احساس اور محبت کا رشتہ ہے تو یہ غلط نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کسی مصیبت کے موقع پر بھی اپنے بندے کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا اور اپنے بندوں کو بھی اس سے محبت اور اس سے لگاؤ کی تلقین کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان اس محبت کی کیفیت کو محسوس کرے گا کہ اللہ کو میری تھکن اور معمولی نوعیت کے رنج و غم کا بھی پورا احساس ہے پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ بندے کا اپنے رب سے تعلق مزید مضبوط ہو گا، ساتھ ہی وہ اس آیت کا مصداق بھی بن جائے گا: {وَ الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ} ^{۱۵}

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا يزال البلاء بالمؤمن حتى يمشى على الأرض وليس عليه خطيئة“ ^{۱۶}

”مومن آزمائش میں مبتلا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چل رہا ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔“

اسی موضوع سے ملتی ہوئی ایک اور حدیث، جس میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اذا كان العبد يعمل عملاً صالحاً فمشغله عنه مرضٌ أو سفرٌ كتب له كصالح ما كان يعمل وهو صحيحٌ مقیم“ ^{۱۷}

”جب ایک شخص کوئی نیک کام کرتا ہے، پھر اس کو بیماری یا سفر اس کام سے روک دیتا ہے تو اس کے حق میں اسی طرح کا نیک عمل لکھا جاتا ہے جو وہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔“

کسی بھی بیمار شخص کے لیے ایسے کلمات جو نبی کریم ﷺ نے اس کی ڈھارس بندھانے کے لیے فرمائے ہوں، یا جس سے اس کے ذہن پر اچھا نفسیاتی اثر مرتب ہو سکے، یقیناً بہت بڑی نعمت سے کم نہیں ہیں۔ جب عیادت کے لیے گیا ہوا شخص اسے کہے گا کہ آپ اپنی صحت کی حالت میں تاجر کا اہتمام کرتے تھے، آپ صدقہ و خیرات کرتے تھے، آپ لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کیا کرتے تھے، لہذا بیماری کی صورت میں بھی آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، بیماری کی حالت میں آپ مجبور ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کی کمی نہیں ہے، وہ آپ کی نیت و ارادے سے

^{۱۵} البقرة، ۲: ۱۶۵

^{۱۶} الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی (لاہور، مکتبہ بیت السلام، ۲۰۱۷ء)، رقم: ۲۳۹۹۔

^{۱۷} البخاری، الجامع الصحیح، الرقم: ۲۹۵۳۔

واقف ہے، آپ کو اسی طرح اجرو ثواب ملے گا جس طرح آپ صحت کی حالت میں خیر و بھلائی کے کام کیا کرتے تھے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیماری کی حالت میں اس کے نیک عمل کو اسی طرح لکھا جاتا ہے جیسا کہ وہ بیماری کی حالت میں اس بھلائی کو انجام دیا کرتا ہے، یہ کلمات اکسیر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس بیمار شخص کی ذہنی کیفیت کو آسودہ کرنے، اس کی طبیعت کو بحال کرنے اور صحت مند ہونے کی نئی امید پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں۔

جب مصیبت میں گھرے ہوئے شخص کو اسوہ نبی ﷺ کے مطابق نصیحت کی جائے گی، اس کے لیے پُر خلوص دعائیں کی جائیں گی، تو یقیناً وہ مصیبتوں کو بوجھ محسوس نہیں کرے گا، اس کا نفسیاتی بوجھ ہلکا ہو جائے گا، ذہن میں تفکیک پانے والے خطرات اس سے چھٹ جائیں گے، بلکہ اسے اس پہنچنے والی تکلیف میں بھی خیر ہی نظر آئے گی اور جب اسے یہ یقین ہو گا کہ اللہ اس بیماری کے عوض مجھے ابدی انعامات کا وارث بنانے والا ہے تو اس کے یقین قلب اور ذہنی آسودگی کا کیا عالم ہو گا؟ کیونکہ اسلام آسانی والا دین ہے تنگی والا نہیں، اس پر عمل کرنے سے آسان کام میں تو خیر ہی ہے، مشکل کام بھی خیر و بھلائی سے خالی نہیں۔

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ بیمار کی شفا یابی کے لیے دعا فرماتے:

”لَا بِأَمِّنَ طَهُوْرًا نِّ شَاءَ اللّٰهُ“^{۱۸}

”کوئی حرج نہیں، اللہ نے چاہا تو یہ بیماری پاک کرنے والی ہے۔“

اسی طرح اگر کسی سے زیادہ اپنائیت ہو تو اس کا نام لے کر بھی اس کی شفا یابی کی دعا کی جاسکتی ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

”اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا“^{۱۹}

”اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔“

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اذا دخلتم علی المریض فنفسوا له فی الأجل فان ذلك لا یرد شیئاً وهو بطیب بنفس المریض“^{۲۰}

”جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی اجل کو مہلت دو، (یعنی اس کو امید دلاؤ اور حوصلہ دو) کیونکہ ایسا کرنے سے اس کو نفسیاتی حوصلہ ملتا ہے۔“

^{۱۸} البخاری، الجامع الصحیح، الرقم: ۳۵۷۲۔

^{۱۹} البخاری، الجامع الصحیح، الرقم: ۶۶۳۔

^{۲۰} ترمذی، سنن ترمذی، الرقم: ۲۹۴۶۔

گویا مریض کی عیادت کرنا اس کی نفسیاتی بیماری کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

بیمار پر سی کو جہاں ثواب، نعمت، گناہوں سے کفارے کا باعث بنایا گیا، بلکہ مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک حق بیمار پر سی کرنا بھی ہے، ”وَيَعُوذُهُ إِذَا مَرِضَ“^{۲۱}۔ حقوق کی بجا آوری کرنا لازم ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ادا کر لیے جائیں تب بھی ٹھیک اور نہ ادا کیے جائیں تب بھی ٹھیک۔

اسلام نے جس خوبصورتی کے ساتھ مسلمانوں کو ایک لڑی میں پر دینے کی کوشش کی ہے اگر اس لڑی کا حصہ بنے کا انکار کیا جائے یا اس لڑی میں سے خود کو الگ تھلگ کر لیا جائے تو اس سے فتنہ و فساد جنم لیتا ہے جو انتہائی خطرناک اور معاشرتی اقدار کو پامال کر دیتا ہے۔

جب کوئی مسلمان کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا دل تکلیف کے باعث کمزور ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں اسے تنہا چھوڑنا اور اس کی داد رسی نہ کرنا، اس کے ساتھ بیٹھ کر تسلی اور اطمینان کے دیول بھی نہ بولنا، سراسر اس کے ساتھ اور اپنے ساتھ زیادتی ہے، مصیبت میں گرفتار کے ساتھ زیادتی اس لیے کہ وہ توجہ کا مستحق ہے، اور اپنے ساتھ زیادتی اس لیے کہ کل کلاں میں بھی بیمار پڑ سکتا ہوں، جس طرح کے جذبات میں دوسروں کے بارے میں رکھوں گا، ایسے ہی لوگ میرے بارے میں رکھیں گے۔

لہذا کمزوری کی حالت میں ایسا شخص زیادہ توجہ اور مہربانی کا مستحق ہوتا ہے، ایسے حالات میں اگر اس سے منہ موڑ لیا جائے اور اس کی دلگیری نہ کی جائے تو نہ صرف وہ بلکہ معاشرہ بیماری میں لاحق ہو جاتا ہے، کیونکہ صحت مند افراد کے مجموعے کا نام صحت مند معاشرہ ہے۔ اسلام کے زریں اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے نفسیاتی اور جسمانی بیماریوں کا کنٹرول کیا جاسکتا ہے، اور ایک کامیاب اور متوازن معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا جاسکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

”كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ، فَمَرِضَ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوذُهُ، فَفَعَدَّ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ لَهُ: أَسْلِمْتَ، فَنَظَرَ إِلَيَّ أَبِيهِ وَبُوَّ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ: أَطْعَ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ، فَأَسْلَمْتُ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَبُوَّ يَقُولُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ“^{۲۲}

”ایک یہودی چھوٹا لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے، اور اسے فرمایا: ”مسلمان ہو جا“۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، جو اس کے پاس ہی موجود تھا، باپ نے اس کو کہا: ”ابو القاسم۔ ﷺ کی بات مان لو“، پس وہ (لڑکا) مسلمان ہو گیا۔ نبی ﷺ فرماتے ہوئے ”سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اس کو (جہنم کی) آگ سے بچالیا“۔ باہر تشریف لے گئے۔“

^{۲۱} ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ (بیروت: دار احیاء الکتب العربیہ، س۔ن)، الرقم: ۱۳۴۳۔

^{۲۲} البخاری، الجامع الصحیح، الرقم: ۱۳۵۔

۱۰. ابدی گھائلے سے بچا کر دائمی فائدے دینا

اس سے بڑی اور خوبصورت احساس کی عمدہ مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی کو ابدی گھائلے سے بچا کر دائمی فائدے کی طرف لگا دیا جائے، پھر حدیث مبارکہ سے جو نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں ان پہلوئوں پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

- ۱۔ نبی کریم ﷺ کا یہودی بچے سے محبت کرنا اس بات کا پیش خیمہ بنا کہ بچے نے آپ کی صحیح دعوت کو قبول کر لیا۔
- ۲۔ ایک منصب والا شخص بچے کی عبادت کرنے کو حقیر اور بے سبب نہ جانے۔ نبی کریم ﷺ سے بڑے منصب والا کوئی اس دنیا میں ہو سکتا ہے؟

۳۔ بیماری کی حالت میں ہم مریض سے دو گز دور ہٹ کر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، کہیں ہمیں جراشیم نہ لگ جائیں، ہم مریض کو دیکھ کر ناک منہ چڑھاتے اور کرہٹ کا اظہار کرتے ہیں، نتیجتاً مریض بھی بنتے سنتورے منہ سے اندازہ لگالیتا ہے کہ یہ میری عبادت کے لیے نہیں بلکہ خانہ پوری کرنے کے لیے آئے ہیں اور اس کے دل میں اچھے جذبات پیدا ہونے کی بجائے بیزاری جنم لیتی ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ یہودی بچے کے سرہانے کے قریب بیٹھے، جس سے قربت اور محبت کا احساس مزید بڑھتا ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ کی یہودی بچے کے ساتھ محبت سے اس کے والدین پر بھی گہرا اثر پڑا، واقعے کو اگر دل میں جگہ دی جائے اور رسول اللہ ﷺ کے برتاؤ پر نظر ڈالی جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے اس یہودی کے گھر میں نبی اکرم ﷺ کی بہت قدر و منزلت تھی، کیونکہ بچے نے اپنے والد سے پوچھ کر اسلام قبول کیا، جب کہ اس کا والد یہودی تھا۔

۵۔ نصیحت، حق گوئی، دعوت اور خیر خواہی کی خاطر یہودیوں اور عیسائیوں بلکہ ان کے بچوں کے متعلق دعوت اسلام دینے کی غرض سے دل میں احساس کا مادہ رکھنا عین ثواب ہے۔

جس طرح معالجین کے فرائض، بیمار پڑسی کے آداب اور بیمار کے لیے معاشرتی آداب کا تذکرہ اسلام نے کیا ہے، اسی طرح بیمار شخص کی بھی بھرپور انداز میں تربیت کی ہے، یہ تربیت وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنے حقوق معاشرے کے دیگر افراد سے لے سکتا ہے، مریض کو ہر حالت میں نبوی منہج پر عمل پیرا ہونا چاہیے، ذیل کی احادیث مریض کی اخلاقی تربیت، اس کی بہتر ذہن سازی اور اس کے لیے بیماری سے نکلنے کے لیے راہ ہموار کرتی ہیں:

”عن جابر رضی اللہ عنہ قال: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، دَخَلَ عَلَى أُمِّ السَّائِبِ أَوْ أُمِّ الْمُسَيْبِ فَقَالَ: مَا لَكَ؟ يَا أُمَّ السَّائِبِ أَوْ يَا أُمَّ الْمُسَيْبِ تُؤْذِرِينَ؟ قَالَتْ: الْحَيُّ، لَا بَارِكَ اللَّهُ فِيهَا، فَقَالَ: لَا تَسْبِي الْحَيَّ، فَإِنَّهَا تَدْئِبُ حَظَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يَدْئِبُ الْكِبْرُ حَبَثَ الْحَدِيدِ“^{۲۳}

^{۲۳}مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، الر قم: ۶۳۱۸۔

”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ام سائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے وہ کچکا رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ کہنے لگیں: بخار ہے، اللہ اسے رسوا کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چپ ہو جاؤ، بخار کو برانہ کہو بے شک یہ مومن کی خطاؤں کو اس طرح لے جاتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو لے جاتی ہے۔“

بیمار شخص پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس عالم میں اللہ کا قرب تلاش کرنے میں زیادہ سے زیادہ سعی کرے، ذکر اذکار سے کام لے، بصورت دیگر بے حوصلہ الفاظ اور فضول کلمات نہ صرف کسی بیمار کی بیماری کو بڑھاتے ہیں بلکہ اس کے ذہن اور نفسیات پر ایسے اثرات مرتب کرتے ہیں جن سے وہ بہتری کی طرف جانے کی بجائے پستی اور تنزلی کی جانب سفر شروع کر دیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کی اس حوالے سے بہترین تربیت فرمائی، جس سے طبی اخلاقیات نہ صرف تربیت ملتی ہے بلکہ انسانوں کے لیے ایسے قوانین کی تشکیل اور ترتیب طے پاتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنا اور خاندان و معاشرہ کے لوگوں کا بہتر طور خیال رکھ سکتے ہیں۔

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فُؤَيْكَ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ، قَالَتْ: فَدَخَلْتُ عَلَيْهِمَا، فَقُلْتُ: يَا أَبَتِ كَيْفَ تَجِدُكَ؟ وَيَا بِلَالُ كَيْفَ تَجِدُكَ؟ قَالَتْ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَخَذَتْهُ الْحُمَى يَقُولُ:

كُلُّ امْرِيٍّ مُصَبِّحٍ فِي أَبْلِهِ وَالْمَوْتُ أَذْنِي مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

وَكَانَ بِلَالٌ إِذَا أَقْبَلَ عَنْهُ يَرْفَعُ عَقِبْرَتَهُ فَيَقُولُ:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي بَلْ أَيْبَتَنَّا لَيْلَةً

وَبَلْ أَرَدْنَا يَوْمًا مِيَاةَ مَجَنَّةٍ

قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: فَحِجْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحَبِّتَنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّيَّهَا، وَانْقُلْ حُمَانًا فَاجْعَلْنَا بِالنَّجْحَةِ“^{۲۳}

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سیدنا ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہما کو بخار ہو گیا، میں ان دونوں کے پاس آئی اور میں نے کہا: اے میرے ابا جان! آپ کا کیا حال ہے؟ اور اے بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بخار کی شکایت ہوتی تو وہ یہ اشعار پڑھتے:

ہر شخص اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے اور موت اس کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جب بخار اتر جاتا تو وہ بلند آواز سے یہ اشعار پڑھتے:

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں ایک رات وادی (مکہ) میں اس طرح گزار سکوں گا

اور کیا پھر کبھی میں مجنن نہ پانی پر وارد ہوں گا

کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل (نامی گھاس کے جنگل) ہوں گے

اور کیا کبھی میرے لیے شامہ اور طفیل پہلا ظاہر ہوں گے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

کہ میں رسول کریم ﷺ کے پاس آئی اور آپ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ”اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے اور اسے صحت بخش بنا دے اور اس کے صانع اور مد میں برکت فرما دے اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف بھیج دے۔“

۱۱. طبی اخلاقیات

طبی اخلاقیات میں ایسے لوگوں سے بھی نبرد آزما ہونا اور ان کی ذہنی تربیت کرنا شامل ہے، جو نشہ آور اشیاء کی علتوں میں اپنے آپ کو ملوث کر بیٹھے ہیں، نشہ آور چیزوں کا استعمال، چاہے وہ ادویات کی صورت میں ہوں، یا دیگر نشہ آور چیزیں جیسے کوٹین، کوکین، ہیروئن، فیون، چرس، بھنگ اور جیسی نامعلوم کون کون سی ایسے چیزیں لوگوں نے ذہنی تسکین کے لیے ایجاد کر لی ہیں، ایک ایسے شخص سے جس نے خود کو اس گندی لت میں پوری طرح ملوث کر لیا ہے، کیا وہ زندگی کا کوئی بھی کام ڈھنگ سے کر سکتا ہے؟ کیا اس کے ذمے کوئی اہم تو کیا عام کام بھی لگایا جاسکتا ہے؟ کیا اس سے کسی قسم کی تعمیری امید قائم کرنا درست ہے؟ ایسا اس لیے ممکن نہیں کہ اس نے اپنے آپ کو اختیاری طور پر اس دلدل میں پھنسا لیا ہے، جس سے نکلنا اب اس کے بس کی بات نہیں رہی۔

علامہ احمد بن حنبل بنحوی نشہ آور چیزوں کے کچھ اسباب بیان کیے ہیں، جن کی روشنی میں یہ سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے کہ کیوں ہماری نئی نسلی اس لت میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ کرنے پر نئی ہوئی ہے:

پہلا سبب: دور حاضر میں مشرق و مغرب میں مسلمانوں کا اہل مغرب سے اختلاط اس کی سب سے بڑی وجہ ہے، اہل مغرب اخلاقِ فاضلہ سے عاری ہو کر برائیوں کے رسیا ہو چکے ہیں، علی الاعلان الحاد و دہریت پر اتر آئے ہیں، لذات و شہوات کے دلدہا ہو چکے ہیں، شراب پانی سے زیادہ استعمال کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ مغربی ممالک میں فواحش و زنا کا ارتکاب اعلانیہ طور پر ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اخلاق میں جانوروں کی طرح انتہائی نیچے جا گرے ہیں۔

دوسرا سبب: ان مغربی لوگوں سے ملنے جلنے والے اور ان کی مشابہت اختیار کرنے والے بہت سے اہل مشرق میں ایمان کی حفاظت کا ایسا جذبہ اور علوم دینیہ میں ایسی مہارت نہیں ہے جو انہیں برائی کے گڈھے میں گرنے سے بچا سکے۔

تیسرا سبب: دین سے منحرف کرنے والے ان افکار کی پورش جن کو اہل مغرب نے اہل مشرق کے لیے وضع کیا ہے، ان کے اندر دین حنیف کی توہین و تشکیک، اس کے متعلق شہادت کی ترویج و اشاعت، اخلاقی گراؤ کی تعلیم اور آداب شریعت سے بیزاری کی جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔

چوتھا سبب: ایسے علماء اسلام کی قلت جو مسلمانوں کے اندر دین صحیح کی نشر و اشاعت اور اس کے محاسن کی تشریح و تفہیم کریں، نیز افتراء پر داز اور کذاب مستشرقین و مشرین اور ان کے ان نام نہاد مسلمان چیلوں کی افتراء پر دازیوں کی تردید کریں، جو صرف نام کے مسلمان ہیں مگر وہ دین سے بالکل اسی طرح بری ہیں جس طرح بھیڑ یا یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا۔

پانچواں سبب: عربی و اسلامی ممالک کے اندر وزارت تربیت و تعلیم کا دین کی صحیح تربیت صالح افراد کی تیاری اور انہیں ایمان و علم نافع کی فراہمی میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں ہے، البتہ ان اسلامی ممالک میں بعض کو تھوڑا سا مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔

چھٹا سبب: حکام کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دینا اور احکام شریعہ و حدود کو اپنے نظام و قانون سے خارج کر دینا، مثلاً شراب خوری، زنا، قذف و چوری وغیرہ کی حدیں جاری نہ کرنا اور ان کی جگہ وضعی قوانین کو اختیار کر لینا اور یہ ظالمانہ قوانین حرام چیزوں مثلاً زنا، شراب سود اور دوسری منکرات کو مباح قرار دیتے ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے شراب اور اس کے متعلق احکام کے سلسلے میں مطول و مختصر دونوں طرح کی کتابیں تالیف کی ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، اور محدثین و مفسرین نے اس موضوع پر جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ کافی اور وافی ہے۔

انسانی و سوسائٹس اور اوہام بھی بیماریوں میں شدت اور طبی حوالے سے انسان کی اخلاقیات کو تباہ کر دیتے ہیں، یہ مرض کسی کو بھی لاحق ہو سکتا ہے، معالج، طبیب اور ڈاکٹر سے لے کر مریض تک و سوسائٹس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، شیخ عبد اللہ بن باز ایسے و سوسائٹس، اوہام، نفسیاتی خلیان، ذہنی انتشار اور مخمصوں کی کیفیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے اسباب بیان کرتے ہیں:

غالباً اکثر و سوسائٹس نفسیاتی، فکری بلکہ جسمانی فراغت سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ جب انسان مصروف ہوتا ہے تو اس کی پوری توجہ اور دلچسپی اس کام میں ہوتی ہے جس میں وہ لگا ہوتا ہے، لہذا وہ ردی اور غلط قسم کے افکار و سوسائٹس سے محفوظ رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود کبھی ایسی حالت میں بھی و سوسائٹس پیدا ہونے لگتے ہیں، جب انسان اپنی سوچ و فکر، جسم اور دل کو کسی کام میں مصروف کیے ہوتا ہے، بہر حال اس سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے:

۱۔ ان و سوسائٹس کی طرف عدم توجہ اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرنا، پس انسان نہ ان کی طرف توجہ دے اور نہ ان میں دلچسپی لے اور نہ ان کو اپنے دل ہی میں کوئی جگہ دے، حتیٰ کہ اگر اسے کوئی و سوسائٹس پیدا ہونے لگے تو وہ اپنے دل کو اس بات پر پکار کرے کہ یہ و سوسائٹس اور خیال جو اس کے دل میں اُٹھ رہا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، پھر وہ اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دے تو یہ ہے ان و سوسائٹس سے بچنے کا طریقہ کہ انسان اپنے دل کو ان سے خالی کرے، ان میں دلچسپی لے اور نہ ان کی طرف توجہ کرے۔

۲۔ انسان ان و سوسائٹس سے نجات دینے والے اسباب بروئے کار لائے، کثرت کے ساتھ شیطان مردود اور و سوسائٹس سے اللہ کی پناہ پکڑتا رہے، پناہ طلب کرتے وقت دو چیزوں سے آگاہ رہے، اور ان کو ذہن میں رکھے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان ہر لحاظ سے کامل طور پر اپنے آپ کو اس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کا محتاج اور اس کے درکامانگت اور سوائلی بنائے کہ وہ اس حالت میں اپنی قدرت و طاقت سے اظہار برائت کرے اور اپنا معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ دوسری یہ کہ وہ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اس حالت کو بدلنے پر پوری قدرت رکھتا ہے، کیونکہ وہ اللہ جل و علا ہے۔ اس دوسرے امر کی بنیاد اس بات پر رکھے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے انتہائی زیادہ پُر امید ہو اور اس کے متعلق ایسا حسن ظن رکھے کہ وہ اس بیماری سے شفا یاب ہو جائے جو اس کے دل کو لاحق ہے۔

۳۔ وساوس سے بچاؤ کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جب دین و دنیا کے امور میں مصروف ہو تو وہ ان میں انتہائی محنت اور کوشش کرے، مطلب یہ ہے کہ کسی بھی کام کو سرا انجام دیتے وقت اپنا دل اس کام میں حاضر کرے اور اس وقت جب اس کا دل و سوسوں اور فکری پر آگندگی سے پلٹ کر کام میں محنت، کوشش اور امور کو حقیقت کی آنکھ کے ساتھ دیکھنے میں مصروف ہو جائے گا تو اس طرح دل میں تحریک پیدا ہوگی اور وہ پلٹ کر ان اعمال میں مصروف و مشغول ہو جائے گا، یوں وہ ان ردی اور غلط قسم کے وساوس اور افکار کو بھول جائے گا اور وہ ان وساوس سے چھٹکارا حاصل کر لے گا۔

۴۔ بچاؤ کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ انسان اس بات سے آگاہ رہے کہ یہ افکار اور خاص طور پر عقیدے کے متعلق، اللہ تبارک و تعالیٰ، اس کے اسماء اور صفات کے متعلق وساوس کا پیدا ہونا اس سے وہ لوگ بھی دوچار ہوتے جو ہم سے ایمان میں اکمل تھے اور ان کی حالت ہم سے کہیں زیادہ عروج و ترقی والی تھی اور وہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، چنانچہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اس قسم کے وساوس پیدا کرنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان وساوس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑیں اور اس طرح کے وساوس اور افکار دل میں لانے سے باز آجائیں۔“ ۲۵۔

۱۲. خلاصہ بحث

علاج کرتے وقت ایک ماہر طبیب کو جن امور کا احساس کرنا چاہیے ان میں مریض کی جسمانی حالت کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی کیفیت اور نفسیاتی عوامل بھی اہمیت کے حامل ہیں، بسا اوقات معمولی مرض میں دوائی اور علاج کیے بغیر ہی مریض کی ذہنی حالت کو چند اخلاقی بھلوں سے بدلا جا سکتا ہے، یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اکثر مریض بار بار دوائی لینے کے باوجود بھی بہتری کی طرف اس لیے نہیں جاتے کہ ان کا عارضہ نفسیاتی نوعیت کا ہوتا ہے، جبکہ تک ان کا نفسیاتی علاج نہ کیا جائے، ان پر دوائی اثر نہیں کرتی، نتیجتاً وہ بہتر ہونے کی بجائے مزید ابتر کی طرف چلے جاتے ہیں، لہذا کسی بھی مریض کے علاج کے دوران اس کی نفسیاتی حالت کو ملحوظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔

کتابیات

- * مسلم بن حجاج، ابوالحسین، القشیری، صحیح مسلم (الریاض: دارالسلام للنشر، ۱۴۲۱ھ)
- * ایفریم روزن، اہل نفل نفسیات، ترجمہ: ذکیہ مشہدی (نئی دہلی۔ انڈیا: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)
- * گلہت ہاشمی، اب اخلاق بدلنا ہے (لاہور: انور پبلی کیشنز، گلبرگ۔ س۔ ن)
- * ندوی، سراج الدین، بچوں کی تربیت کیسے کریں؟ (لاہور: دارالابلاغ سلیبشرز)
- * حفصہ صدیقی، بچوں سے گفتگو کیسے کریں؟ (کراچی: اسلاک ریسرچ اکیڈمی)
- * ابوداؤد سلیمان بن الأشعث، سنن ابی داؤد (بیروت: دارالرسالۃ العالمیۃ، ۲۰۰۹ء)
- * البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، الجامع الصحیح، (بیروت: دار طوق النجاة، ۱۴۳۲ھ)

^{۲۵} آل بو طامی، شراب اور نشہ آور اشیاء کی حرمت و معصرت، ۲۲-۲۱۔

- * رضوان ریاضی، رسول اکرم ﷺ کا طرزِ عمل کس کے ساتھ، کیسا؟ (نئی دہلی، انڈیا: فریڈ بک ڈپو)
- * اُمّ عبد نیب، جسمانی حرکات اور شائستگی (لاہور: مشربہ علم و حکمت)
- * ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی (لاہور، مکتبہ بیت السلام، ۲۰۱۷)
- * ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ (بیروت: دار احیاء الکتب العربیة، س۔ن)